نظام تعلیم انقلاب اور معلم کا مقام

تقریبا پندرہ برس قبل میں جرمنی کے شہر شوائن فورٹ میں انجینئرنگ میں داخلے کے لیے ایک سکول میں جرمن زبان سیکھ رہا تھا۔ ہماری ٹیچر مادام وول فورتھ (Wolfarth) نے کمرہ جماعت میں بتایا کہ کل اس کی سالگرہ ہے۔ میں نے چھٹی کے بعد گھر جاتے ہوئے ایک سالگرہ کا کارڈ خریدا۔ شام کو اپنی ٹیچر کی شخصیت کو سامنے رکھ کر جرمن زبان میں ایک نظم اس کارڈ پر لکھ دی۔ اگلے روز کلاس میں کارڈ والا لفافہ مادام وول فورتھ (Wolfarth) کو دیا اور ساتھ ان کو سالگرہ کی مبارکباد بھی دی۔ یہاں کے کلچر کا یہ حصہ ہے کہ تحفہ کی پیکنگ تحفہ دینے والے کے سامنے کھول کر شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ ہماری ٹیچر نے بھی فوراً کارڈ والا لفافہ کھولا۔ کارڈ میں اپنی شخصیت کے حوالے سے لکھی نظم پڑھ کر وہ اس قدر جذباتی ہوئیں کہ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر میرے تمام کلاس فیلوز کے سامنے انہوں نے بڑے ترنم کے ساتھ وہ نظم پڑھی۔ آخر میں انہوں نے کہا "مجھے آج تک بہت سے تحائف ملے ہیں مگر میں ساری زندگی اس تحفے کو نہیں بھول سکتی یہ بہت قیمتی ہے کیونکہ یہ پیسوں سے نہیں خریدا گیا بلکہ اس میں خلوص کا وہ جذبہ شامل ہے جو کہیں سے خریدا ہی نہیں جا سکتا۔ اس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ کسی غیر ملکی نے میری ذات کے متعلق جرمن زبان میں لکھا ہے۔" سچ تو یہ ہے کہ مجھے بھی آج تک ان کی حوصلہ افزائی اور عزت افزائی نہیں بھولی۔ دراصل یہ جرمن قوم کی ایک اعلیٰ ترین صفت ہے کہ وہ شعراء، ادیب، سائنسدانوں، دانشوروں، فلاسفروں اور اچھے سیاستدانوں کو اپنے معاشرے میں ایک خاص مقام دیتی ہے۔ اس بات کا ثبوت جرمنی کے سب سے زیادہ یونیورسٹیوں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں والے شہر ہائیڈلبرگ میں جہاں شاعر مشرق قیام پزیر رہے ان کے نام ایک سڑک اقبال اُفر "Iqbal Ufer" منسوب کر دی ہے۔ جو قوم غیر ملکی فلاسفر سے متاثر ہو کر اس کی اتنی عزت افزائی کر سکتی ہے تو اس کا اپنے ہیروز کو خراج تحسین پیش کرنے کا انداز کیسا ہو گا؟ جرمنی کے ہر شہر میں اکثر سڑکوں کے نام ایک جیسے ہی ہیں۔ مثلاً ہر شہر کے انڈسٹریل ایریا میں اکثر سائنسدانوں اور موجدوں کے نام استعمال کیے گئے ہیں۔ جن میں البرٹ آئن اسٹائن، پاسکل، اوہم، اوٹو ہاہن، روڈولف ڈیزل، ماکس پلانک، گستاف ہرٹس، سیمنز Siemens، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ شہر کے وسط میں اپنے کسی قومی سائنسدان، شاعر، فلاسفر یا ادیب وغیرہ کا مجسمہ بھی نصب کیا ہوا ہے۔ اندرون شہر کے اردگرد کی گلیوں یا سڑکوں کو اپنے فلاسفروں، ادیبوں، اور شاعروں کے علاوہ کچھ اچھے سیاستدانوں کے ناموں سے بھی منسوب کیا گیا ہے۔ جن میں کینٹ، گوئٹھے، جارج ولیم فریڈرش ہیگل، کونراڈ آڈے ناور CDU کے بانی، فریڈرش ایبرٹ SPD پارٹی کے بانی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ظاہر ہے جو قوم علم اور علم والوں کی قدر کرے ان کے نام سے سارے ملک کی سڑکیں منسوب کر دیں جائیں تو علوم عقلیہ کی برکات اُس پر نازل ہوتی رہیں گی۔ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی، سب سے متبرک اور معتبر کتاب کا جب نزول شروع ہوا تو سب سے پہلا لفظ ہی "اقراء" تھا۔ یعنی ......پڑھ......!! آپ ﷺ کی حدیث بھی ہے کہ علم حاصل کرو خواہ اس کے لیے تمھیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم آج بھی جہالت کے سمندر میں غرق ہیں۔ وطن عزیز کی موجودہ حالت کی سب سے بڑی وجہ "علمی پستی" ہے۔ یہی وجہ ہے ہمارے معاشرے میں سائنسدان، فلاسفر، ادیب، شاعر وغیرہ

کی وہ قدر اور عزت افزائی نہیں کی جاتی جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔سال میں ایک بار اقبال ڈے منا کر ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے اقبال پر بڑا احسان کردیا ہے۔ان کا فلسفہ حیات آج بھی قابل عمل ہے مگر شاید ہم آج اس قابل بھی نہیں رہے کہ اس کو سمجھ سکیں بلکہ صرف پڑھ ہی سکیں۔ڈاکٹر عبدا سلام سے فائدہ نہ اٹھایا گیا۔ڈاکٹر قدیر خان نے فائدہ پہنچا دیا تو اس کا صلہ جو دیا گیا ہے وہ بھی ایک کھلی اور کڑوی حقیقت ہے۔زندہ سے کام نہیں لینا جب کوئی دنیا سے کوچ کر جائے گا تو اس کو کسی ایوارڈ سے نواز دیا جائے گا۔اپنے ضمیر اور قلم کا سودا نہ کرنے والے کچھ شعراء کو زندگی میں پابند سلاسل رکھا۔جب دنیا سے چلے گئے تو ان کے شعر جلسے اور ریلیوں میں پڑھ کر اپنے آپ کو محبّ وطن ثابت کرنے کا ڈرامہ رچایا جاتا ہے۔کسی کو سائنسدان، ادیب، فلاسفر یا شاعر بننے کے لیے تخلیق کے سمندر میں غوطہ خوری کرنی پڑتی ہے۔جس کے لیے ایک مناسب تعلیمی نظام اور استاد ہونا لازمی ہیں۔ہمارا تعلیمی نظام ناقص تو ہے ہی مگر ریلوے کی طرح برق رفتاری سے زوال پزیر بھی ہو رہا ہے۔معلم کی قدر اس کی تنخواہ سے لگائی جا سکتی ہے۔حالیہ دنوں میں کوئٹہ میں اساتذہ نے بھوک ہڑتال کی اور مطالبات تسلیم نہ ہونے تک بھوک ہڑتا ک جاری رکھنے کا عندیہ بھی دیا ۔المیہ یہ ہے کہ اساتذہ جن کا درجہ ماں باپ کے برابر تصور کیا جاتا ہے ان کے حقوق اس حد تک سلب کیے گئے کہ بیچارے سڑکوں پر آ گئے۔بھوک سے تو ویسے یہ پہلے ہی مر رہے تھے اب اگر بھوک ہڑتال سے مر جائیں گے تو کسی کو کیا پروا......؟جن کو پروا کرنی چاہئے ان کے بچے تو کیڈٹ سکول، گرامر سکول یا بیرون ممالک تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔تاریخ میں روما اور مغلیہ سلطنت کے زوال کے اسباب میں ایک قدر مشترک ہے کہ ان دونوں قوموں میں بہترین کھلاڑی، ایکٹر، سپاہی، اعلیٰ افسر، مکرر، شاعر وغیرہ تو موجود تھے مگر تعلیم و تدریس کے معاملے میں دلچسپی ختم ہو چکی تھی۔پڑھنے لکھنے کا کام غلاموں کے سپرد کر دیا گیا تھا۔چنانچہ غلام ہی معلم ہوا کرتے تھے۔جو شب و روز اپنے آقا کی خدمت کرنے کے ساتھ ساتھ بچوں کو بھی پڑھاتے تھے۔غلاموں کو کوڑے مارنا اور سزائیں دینا عام تھا اور اکثر شاگرد اپنے غلام استادوں کو کوڑے مارتے تھے۔علم و حکمت کی اس توہین کے اثرات بہت جلد اس قوم کے زوال کی صورت میں رونما ہوئے۔ہم نے تو آج تک عروج دیکھا ہی نہیں اور علم و تدریس اور معلم کے ساتھ ہمارا رویہ عروج سے پہلے زوال کی طرف لے جا رہا ہے۔اب تک کوئی روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگاتا رہا، کوئی اسلام کا، کوئی روشن پاکستان کا، اب نیا نعرہ انقلاب کا لگایا جا رہا ہے۔یہ بھی حقیقت ہے کہ کبھی جاہل اور بے شعور لوگ انقلاب نہیں لائے۔شعور کے لیے تعلیم کا ہونا بہت ضروری ہے اور تعلیم کے لیے تعلیمی نظام کو دور حاضر کی ضرورت کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔اس کے ساتھ ساتھ معلم کو اتنی عزت اور مراعات ضرور دی جائیں کہ ان کو بھوک ہڑتال کرنے کسی پریس کلب کے سامنے احتجاج نہ کرنا پڑے۔اگر تعلیمی نظام ٹھیک کر لیا جائے تو روٹی کپڑا مکان کے ساتھ ساتھ خودی اور عزت بھی ہمارا مقدر آپ بن جائے گی مگر جس انقلاب کی بات آج پاکستان میں ہو رہی ہے اُس کی حالت بھی ایسے ہی ہے جیسے استاد کے بغیر کلاس روم اور الفاظ کے بغیر کتاب۔جن کے خلاف انقلاب آنا تھا وہ ہی انقلاب میں شامل ہو چکے ہیں۔اب جو انقلاب پاکستان میں آئے گا اُس کیلئے کسی پیشگی اطلاع کی ضرورت نہیں۔اچھے استاد نہ ہونے کی وجہ سے پاکستانی عوام ایک بار پھر دھوکا کھانے کیلئے ذہنی طور پر تیار ہو چکی ہے یا تیار کر لی گئی ہے۔

روزنامہ "دن" یکم دسمبر 2011ء   دی نیشن لندن 9 دسمبر 2011ء

تحریر: سہیل احمد لون
سربٹن۔سرے
sohailloun@gmail.com
24-11-2011